23

سچا علم انسان کو بتا دیتا ہے کہ اس سے بالا ایک اَور علیم و حکیم ہستی ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہے

(فرمودہ 5/اکتوبر 1951ء بمقام سرگودھا)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''انسانی کاوش اور انسانی تحقیق ہمیشہ ایک حد تک انسان کو لے جاتی ہے۔ اس سے آگے صرف خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہی کام کرتا ہے اور تمام علوم، سائنس اور طبیعات جو ہیں وہاں جا کر بالکل فیل ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء پیدا ہوتے ہیں، بڑی بڑی ایجادیں ہوتی ہیں، تحقیقاتیں ہوتی ہیں حتّٰی کہ جاہلوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اب رازِ کائنات کھلنے والا ہے لیکن جو عالم اور ماہر بھی ہوئے انہوں نے اِس زمانہ میں بھی یہی کہا ہے کہ رازِ کائنات کھل نہیں رہا بلکہ مزید رازہائے کائنات معلوم ہو رہے ہیں۔ ایٹم بم جب نکلا تو لوگوں نے کہا اب ذرّہ کے ٹوٹنے کا طریق چونکہ معلوم ہو چکا ہے اور یہ چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ جس سے نیچے کوئی چیز انسانی فہم اور انسانی ذہن میں نہیں آ سکتی اس لیے کائنات کی کُنہہ معلوم ہو گئی اور اس کی حقیقت کو پا لیا گیا۔ لیکن جب انسان یہ نہیں جانتا کہ کائنات کس طرح بنی ہے یا وہ کیوں بنی ہے تو اس نے اس کی کُنہہ کو کس طرح معلوم کر لیا

اور اس کی حقیقت کو کس طرح پالیا۔

بعض لوگوں نے کہا ہے چونکہ ذرّہ کو توڑ کر اس سے طاقت حاصل کرنے کا طریق نکل آیا ہے اور اس بات کا زبردست امکان پیدا ہو گیا ہے کہ ذرّہ کو توڑنے سے اتنی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ وہ آگے دوسرے ذرّہ کو توڑے گا، پھر وہ تیسرے کو توڑے گا، پھر چوتھے کو توڑے گا۔ اس طرح قیامت کا ایک ذریعہ نکل آیا ہے۔ لیکن 1945ء میں پہلا ایٹم بم چلایا گیا تھا ایجاد وہ اس سے بہت دیر پہلے کا ہو چکا تھا۔ اب 1951ء آ گیا ہے۔ گویا چھ سال گزرنے کے بعد بھی رازِ قدرت ویسے کا ویسا ہے اور اس عرصہ میں انسان قیامت برپا نہیں کر سکا ہے۔ رازِ قدرت کو معلوم تو تبھی کیا جا سکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ ذرّہ کی حقیقت کیا ہے۔ لیکن ہوا یہ ہے کہ بعض اَور باتیں پیدا ہو گئی ہیں جن کا پہلے انسان کو وہم وگمان بھی نہیں تھا۔ اب جب وہ سامنے آ گئی ہیں تو انسان حیران ہو گیا ہے کہ یہ کس طرح ہے؟

ہمارے ایک نوجوان ابھی ابھی تعلیم حاصل کر کے انگلستان سے واپس آئے ہیں۔ انہوں نے وہاں ایسی عزت حاصل کی ہے کہ امریکہ نے بھی انہیں بلایا اور وہاں انہیں تین مہینوں تک بڑے بڑے پروفیسروں کے ساتھ رکھا گیا۔ وہ ایٹم سے متعلق ایک مسئلہ کی تحقیقات کر کے آئے ہیں۔ میں نے ان سے اس بارہ میں بات چیت کی تو انہوں نے بتایا کہ قانونِ قدرت میں بعض اعداد کُنجی کے اعداد معلوم ہوئے ہیں اور بعض تابع اعداد ہیں۔ جب انسانی عقل اس عدد پر پہنچ جاتی ہے یا کوئی طاقت اس عدد کو پہنچ جاتی ہے تو وہ کنجی والی طاقتیں اپنے اندر پیدا کر لیتی ہے اور جب وہ اس کنجی والے عدد سے آگے یا پیچھے ہٹ جاتی ہے تو کنجی والی طاقتیں اس سے جاتی رہتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بتایا کہ چار کا عدد کنجی والا عدد ہے۔ میں نے سوچا کہ میرے زمانہ میں مُنَجِّم اور اِس قسم کے دوسرے لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ سات کے عدد میں یہ برکت ہے، دس کے عدد میں یہ برکت ہے، انیس کے عدد میں یہ برکت ہے۔ اب سائنس بھی انہی اعداد پر آ رہی ہے۔ ہمارے اس نوجوان نے بتایا کہ اب تحقیقات مکمل ہو رہی ہیں اور زائد باتیں بھی معلوم ہو رہی ہیں۔ میں نے کہا تم یہ تو بتاؤ کہ آخر ایسا کیوں ہے کہ چار کا عدد کنجی والا عدد ہے یا کوئی اَور عدد کنجی والا ہے؟ میں نے کہا یہ تو ایک اتفاقی امر ہے۔ جب آپ نے کسی عدد میں کوئی طاقت دیکھی تو لکھ لیا۔ رازِ قدرت تو تب معلوم ہو جب یہ معلوم ہو کہ چار کے عدد میں یہ طاقت کیوں پیدا ہوئی ہے؟ یہ تین اور پانچ کے اعداد میں کیوں پیدا نہیں ہوئی؟ انہوں نے بتایا

کہ یہ بات اب تک معلوم نہیں ہوئی اور نہ قریب میں اِس کے معلوم ہونے کا امکان ہے کہ بعض اعداد میں کیوں طاقت پائی جاتی ہے اور بعض میں کیوں طاقت نہیں پائی جاتی۔ میں نے کہا جب تک تم یہ معلوم نہ کرلو تمہیں رازہائے کائنات کس طرح معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں بتاتی ہیں کہ انسان کو آخر کار خدا تعالیٰ کی طرف جانا پڑتا ہے اور وہ اس کی برتری کو تسلیم کرتا ہے۔

میں نے سوچا کہ انسان کی مثال اُس گھوڑے کی سی ہے جس کو سو، دو سو گز رَسّی کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ وہ اُٹھتا ہے اور چرنا شروع کر دیتا ہے اور آہستہ آہستہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں آزاد ہوں اور وہ بِدک کر یا دَبک کر یا کسی اپنے خیال کے ماتحت دوڑنے لگتا ہے اور سو، ڈیڑھ سو گز تک پہنچ کر جس قدر لمبی وہ رَسّی ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا ہے اُس کے گلے میں پھندا پڑنا شروع ہو جاتا ہے اِس لیے وہ واپس آ جاتا ہے اور اِتنا ڈر جاتا ہے کہ کِیلے کے ساتھ ہی بیٹھ جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر بھول جاتا ہے اور چلنے پھرنے لگتا ہے۔ اُسے یہ خیال آتا ہے کہ میں آزاد ہوں اس لیے وہ پھر دوڑنے لگتا ہے۔ لیکن کچھ فاصلہ پر جا کر اُس کے گلے میں پھندا پڑنا شروع ہوتا ہے اور وہ واپس آ کر کِیلے کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ یہی حال کائناتِ عالَم کا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اُس نے بڑے بڑے علوم حاصل کر لیے ہیں لیکن وہ اظلال علوم ہوتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ علم اِس چیز کا نام ہے کہ کسی چیز کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ کیا ہے، کیوں ہے اور کہاں ہے؟ اور یہ علم صرف خدا تعالیٰ کو ہی ہے۔ جب کسی انسان سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ یہ چیز کیوں ہے، کہاں ہے، کس طرح ہے؟ تو بسا اوقات وہ لڑ پڑتا ہے اور اُسے غصّہ آ جاتا ہے۔ بچے ماؤں پر سوال کرتے ہیں۔ بچہ اپنی ماں سے پوچھتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ وہ کہتی ہے یہ گھوڑا ہے۔ وہ کہتا ہے گھوڑا کیا ہوتا ہے؟ ماں کہتی ہے ایک جانور ہے۔ وہ پھر پوچھتا ہے جانور کیا ہوتا ہے؟ ماں کہتی ہے جانور وہ ہوتا ہے جو چلتا پھرتا ہو۔ بچہ پھر سوال کرتا ہے وہ کیوں چلتا پھرتا ہے؟ تو وہ اُس کے منہ پر تھپڑ مارتی ہے اور کہتی ہے چُپ کر! تُو نے تو میرے کان کھا لیے ہیں۔ ماں بچے کو اس کی بیوقوفی پر تھپڑ نہیں مارتی بلکہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اُسے تھپڑ مارتی ہے۔ یہی حال محققین کا ہے، یہی حال پروفیسروں اور بڑے بڑے سائنس دانوں کا ہے۔ جب ان پر کوئی شخص سوال کرتا ہے کہ فلاں چیز کیوں ہے؟ کیا ہے؟ کدھر سے ہے؟ کدھر کو ہے؟ تو تھوڑے سے جواب کے بعد ان کا علم ختم ہو جاتا ہے اور یہ چیز واضح ہو جاتی ہے

کہ ان کا علم اصلی نہیں۔ اصلی علم ایک ہی ہستی کو حاصل ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہے۔
بعض بیوقوف ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ پر بھی اس قسم کے اعتراضات شروع کر دیتے ہیں کہ وہ کیوں ہے؟ کیا ہے؟ کدھر سے ہے؟ کدھر کو ہے؟ لیکن جو انسان اپنی ذات کے متعلق نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے؟ کیوں ہے؟ وہ اُس ہستی کے متعلق کیا جانے جس کے ہاتھ میں سب علوم ہیں۔ انسان خود نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے اور کیوں ہے؟ مرد عورت سے ملتا ہے اور اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات عورت اور مرد بیس بیس دفعہ آپس میں ملتے ہیں اور اِس کے نتیجہ میں بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ پھر ایک خاص وقت میں وہ کیوں پیدا ہو جاتا ہے؟ اِسی طرح مرد و عورت کے اعضاء کے متعلق سوال کیا جائے تو یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ انسان مجبور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے مجھے اِسی حد تک معلوم ہے۔ غرض جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں چیز کیا ہے؟ کس طرح ہے؟ کیوں ہے،؟ کدھر سے ہے؟ کدھر کو ہے؟ اُس وقت تک اس کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔
جہاں تک میں سمجھتا ہوں سچے علم کے یہی معنے ہیں کہ وہ انسان پر اُس کی حقیقت اور جہالت کو واضح کر دے۔ سچا علم انسان کو بتا دیتا ہے کہ اُس سے بالا ایک اَور علیم و حکیم ہستی ہے اور وہ اُس کی مدد کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ جو علم یہ چیز بتا دیتا ہے وہ سچا ہے۔ لیکن جو شخص یہ نہیں جانتا کہ اُس سے بالا کوئی اَور علیم اور حکیم ہستی ہے اور پھر وہ کہتا ہے میں فلاں چیز کی حقیقت کو پہنچ گیا ہوں وہ جھوٹا ہے۔ یہی پہچان ہے عالم اور غیر عالم کی۔ جب ایک شخص یہ سمجھتا ہے کہ اُس سے بالا ایک اَور ہستی بھی ہے خواہ یہ سمجھ عارضی طور پر ہو یا مستقل طور پر، اُسے منبع کا پتا چل جاتا ہے اور وہ اس سے فائدہ حاصل کر لیتا ہے۔ کنویں کا سارا پانی کوئی نہیں نکال سکتا لیکن اگر کسی کو ایک گلاس پانی بھی مل جائے تو اُس کی پیاس بُجھ جاتی ہے۔ اِسی طرح انسان سارے رازہائے کائنات کو نہیں پہنچ سکتا لیکن اگر اُسے ایک قطرہ بھی اس سمندر سے مل جائے تو بڑے فائدہ کی چیز ہے بجائے اِس کے کہ وہ ایسی حالت میں ہو جو دُبدَ ھا[1] اور شک میں ڈال دیتی ہے"۔ (غیر مطبوعہ مواد۔ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

[1] : دُبدَ ھا: تذبذب۔ شک۔ پس و پیش۔ گھبراہٹ۔ وہم۔ وسوسہ (فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)